جناب پروفیسر غلام نبی عارف صاحب گورنمنٹ ڈگری کالج باغبانپورہ لاہور

تاریخ و سیر

نواب سید صدیق الحسن خاںؒ کی

عربی زبان میں

دینی اور ادبی خدمات

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سرزمینِ ہند پر بہت سے ایسے عربی زبان کے علماء، شعراء اور ماہرینِ لغت و ادب پیدا ہوئے، جنہوں نے علوم دین اور لغت و ادب کی ترقی و ترویج کے لئے شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ علماء اور محققین نے ان کی علمی اور ادبی تخلیقات سے خوب استفادہ کیا۔ ان کا یہ فیضِ عام صرف ملکِ ہند تک محدود و مسدود نہیں رہا، بلکہ پورے عالمِ اسلام نے ان کے چشمۂ علم و فضل سے اپنی تشنہ لبی دُور کی۔ تاریخ عربی ادب و لغت کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھیے تو اس میں یقیناً اس حقیقت کا اعتراف و اقرار ملے گا۔ ہندی علماء کے احوال و آثار پر مستقل تذکرے بھی لکھے گئے ہیں۔ عربی ادب کے صاحبِ طرز ادیب مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی ایک عربی تصنیف میں ہندی علماء، ادباء اور ماہرینِ لغت کا بایں طور تذکرہ کیا ہے:

"عربی ادب میں ہند کا ماضی بہت روشن و درخشاں ہے۔ یہاں پر اسے بہت ترقی و عروج حاصل ہوا۔ عربی زبان میں لکھنے والے عظیم مصنفین، ادباء اور شعراء کی ایک معتدبہ تعداد موجود ہے۔ مثلاً علامہ صنعانی لاہوری (متوفی ۶۵۰ ہجری) جو العباب الزاخر، مجمع البحرین، کتاب الاضداد فی اللغۃ، مشارق الانوار کے مصنف ہیں۔ قاضی عبدالمقتدر دہلوی (متوفی ۷۹۱ ہجری) صاحب القصیدۃ اللامیۃ، مولانا احمد تھانیسری متوفی ۸۲۰ ہجری صاحب قصیدہ دالیۃ

علامہ محمود جونپوری (متوفی ۱۰۶۲ ہجری) مصنف الفرائد فی علوم البلاغہ۔ شیخ الاسلام امام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ ہجری) مصنف حجۃ اللہ البالغہ، عظیم شاعر و مورخ سید غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۱۹۴ ہجری) مصنف السبع السیارۃ و سبحۃ المرجان۔ مشہور لغوی سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) مصنف تاج العروس و تکملۃ القاموس۔ شیخ محسن بن یحییٰ ترھتی مصنف الیانع الجنی۔ علامہ نواب صدیق حسن خان امیر ریاست بھوپال (متوفی ۱۳۰۷ ہجری) مصنف مؤلفاتِ کثیرہ[1]

میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی فہرست میں مزید عربی علم و ادب کے اہلِ قلم کا اضافہ کرتا ہوں۔ مثلاً علامہ ابوالعلیٰ عبدالرحمٰن مبارک پوری مصنف تحفۃ الاحوذی، شرح جامع ترمذی۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی مصنف عون المعبود شرح سنن ابی داؤد اور علامہ عبدالعزیز سلفی میمنی راجکوٹی مصنف ابوالعلاء و ما الیہ و محقق سمط اللآلی شرح کتاب الامالی لابی علی القالی۔[2]

یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ نواب صدیق حسن خانؒ علماء کے اس ہراول دستے میں شامل ہیں، جنہوں نے دنیائے اسلام میں اسلام کی خدمت اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اب میں ان خدمات اور کوششوں کا ذکر کرتا ہوں۔ جو انہوں نے دین و علم کے میدان میں انجام دیں تاآنکہ آپ کا نام جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لیے نقش ہوگیا۔

ع۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

نواب سید صدیق حسن خانؒ کی ولادت ۱۸۳۲ عیسوی کو شہر قنوج میں ہوئی جو ہندوستان کے قدیم اور مشہور شہروں میں سے تھا۔ اسی شہر میں آپ نے نشو و نما پائی اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ ابو احمد حسن قنوجی ایک زبردست عالمِ دین اور ماہرِ شریعت تھے۔ براہ راست کتاب و سنت کی

---

(۱) مختارات من ادب العرب ج ۱ ص ۴

(۲) عربی علم و ادب کی خدمات کے سلسلے میں دیکھئے تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند (۱۷۱۲ء - ۱۹۷۲ء) جلد دوم مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور

اقتداء و استدلال کے قائل اور تقلیدِ شخصی کے تارک تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پاکیزہ سیرت خدا ترس مومنہ قانتہ خاتون تھیں۔

ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے سوائے ایک دینی کتب خانہ کے کوئی اور جائیداد نہ چھوڑی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے۔ ان کے حسنِ تربیت نے نواب صاحب کی ذات و شخصیت میں بہت گہرا اثر چھوڑا۔ آپ نے ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے شہر ہی میں حاصل کی۔ پھر مزید تحصیلِ علم کی خاطر دہلی تشریف لائے۔ جو ملکِ ہند کا دارالحکومت اور اسلامی علوم کی تدریس و تحصیل کا عظیم الشان مرکز تھا۔ یہاں آپ نے دو سال کا عرصہ تحصیلِ علم میں گزارا۔ مفتی محمد صدر الدین خان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ نے ان سے تمام فنونِ عقلیہ و نقلیہ اور ادب کا درس لیا۔ مزید برآں ان کا اس دوران کئی اور علماء و مشائخ سے بھی تعارف ہوا اور ان سے وسیع استفادے کا آپ کو موقع ملا۔ انہوں نے آپ کو زبانی اور تحریری طور پر اپنے علوم و معارف کے روایت کرنے کی عام اجازت دے دی۔ [1] جس کی مکمل تفصیل "سلسلۃ العسجد" میں ملتی ہے۔ ان عظیم المرتبت علماء و فضلاء میں شیخ محمد یعقوب دہلوی، شیخ محمد اسحاق دہلوی، شیخ عبد الحق بن فضل اللہ اور قاضی حسین بن محسن انصاری یمانی شامل ہیں۔ [2]

تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد آپ دہلی سے واپس اپنے شہر قنوج آ گئے۔ پھر آپ نے مزید طلبِ علم اور طلبِ معیشت کی خاطر ریاست بھوپال کی طرف سفر اختیار کیا۔ بھوپال اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک قدیم العہد مرکز چلا آ رہا تھا۔ اس کی تاریخ بزرگ شخصیتوں اور مردانِ کار کے کارہائے نمایاں سے خاصی روشن ہے۔ مبدأ فیوض نے صدیق حسن خانؒ کو اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں۔ بہت جلد آپ کی شہرت ریاست بھوپال کے رؤسا، امراء اور حکام تک پہنچ گئی۔ وہ آپ کی

---

[1] ابجد العلوم (۹۳۹ - ۹۴۰)۔

[2] نزہۃ الخواطر ۸ : ۱۸۷ - تذکرہ علمائے ہند۔

خاندانی وجاہت، علمی شخصیت اور ذہنی قابلیت سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکے۔ جب نواب شاہجہان بیگم والیہ بھوپال کے پہلے خاوند نواب باقی محمد خان فوت ہو گئے تو انہوں نے سید صدیق حسن خان کی شہرت اور علوم اسلامیہ میں اعلیٰ قابلیت کے پیشِ نظر ان سے نکاحِ ثانی کر لیا۔ آپ کو اس بناء پر ریاست بھوپال کے تمام اعزازات، خطابات، مراتب و مدارج، جاگیریں اور مملکت کا انتظام و انصرام، عساکر و جیوش کی قیادت اور روساء و امراء ریاست کی نظارت و سیادت وغیرہ امور حاصل ہو گئے۔[1]

باوجود اس حقیقت کے کہ نواب صدیق حسن خانؒ بھوپال کی اسلامی ریاست کے سربراہ بن چکے تھے مگر ان کی حاکمانہ مصروفیات اسلام کی خدمات کی راہ میں کبھی حائل نہ ہوئی تھیں۔ بلکہ ریاست میں دینِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عملی طور پر ایک بالاتر حیثیت اور سیاسی مقام حاصل ہو گیا۔ قلم و قرطاس کی سرسراہٹوں کے ساتھ ساتھ سیف و سنان کی جھنکار بھی شامل ہو گئی۔ آپ نے خزانۂ عامرہ کے بڑے حصے کو بلادِ عربیہ سے علمی کتابوں کے جمع کرنے اور نئے نئے موضوعات پر کتابیں تالیف کرنے پر صرف کیا۔ تاکہ عالم اسلام میں دینی علوم و حقائق کی بہتر اور مؤثر طور پر ترویج و اشاعت ہو سکے۔ نواب صاحب مرحوم زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعتِ علومِ دینیہ میں ہمہ تن مصروف رہے حتیٰ کہ اس جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان ۱۳۰۷ھ کو اپنے خالقِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ جعل اللہ مثواہ نورا وضیاءا!

نواب صاحب کا دور دین میں بدعات و خرافات اور اوہام پرستی کا دور تھا۔ انگریز کے ہاتھوں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد تو دینی معاملات میں جہالت عام ہو گئی تھی۔ قرآنِ حکیم کی نصوص اور تعلیماتِ نبویہ کو یکسر فراموش، بے کار اور معطل کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطاب میں کتاب و سنت پر کاربند رہنے کی پُر زور الفاظ میں امت کو تاکید فرمائی تھی اور خبردار کیا تھا کہ ان دو کے

---

[1] التاج المکلل ص ۵۳۸۔

ترک کرنے سے مسلمان قعرِ ضلالت میں جا گریں گے، آپؐ نے فرمایا تھا!

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِي"

"میں اپنے پیچھے تم میں دو اصول چھوڑ چلا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرا میری سنت۔ جب تک اے مسلمانو! تم ان دو اصل الاصول پر قائم رہو گے، کبھی گمراہی کا شکار نہ ہو گے!"

مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ غلامی میں سب سے زیادہ انحراف اگر کسی شے سے کیا ہے تو اللہ کی کتاب قرآن مجید سے:

"فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ" (آل عمران : ۱۸۷)

"تو انہوں نے اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیا!"

— اور سنتِ محبوبِ رب العالمین ہے، جس کے بارے میں فرمانِ نبویؐ ہے:

"مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" (بخاری و مسلم)

کہ "جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز پیدا کی جو پہلے اس میں نہیں ہے وہ ناقابلِ قبول ہے۔"

کتاب و سنت کی غربت اور اس سے محرومی کا یہ عالم کہ ان کا مطالعہ، درس متروک و مہجور ٹھہرا۔ بایں طور کہ نصوصِ قرآن اور متونِ احادیث کی جگہ عجمی فقہاء اور علماء کے مجموعہ ہائے اقوال و آراء اور ان کی مصطلحاتِ مخترعہ کی تدریس و تلقین ہوتی تھی۔ جب بلتدی کے ذہن میں کنز، قدوری، ہدایہ اور شامی کی عبارات لاراسخ اور جیامد ہو جاتیں تو پھر بیچارے قرآن اور حدیث کی باری آتی اور ایک سال میں ہی کتبِ صحاح کی تدریس مکمل کر دی جاتی تاکہ طالبِ علم پوری توجہ و فرصت کے ساتھ کتاب و سنت کی روح کو نہ سمجھ سکے۔ گویا کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہؐ کی حدیث فقہ و منطق و فلسفہ کی کتابوں کا ضمیمہ ٹھہریں۔ نیز علمائے امت نے یونانی فلسفہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا تھا حالانکہ اہلِ یونان نے اسے بے کار سمجھ کر صدیاں گزریں چھوڑ دیا تھا۔ یہ فلسفہ و منطق یونانیوں کا چبایا ہوا نوالہ تھا، جس کی جگالی اس وقت مسلم دانشور کر رہے تھے، دینِ اسلام کے بارے میں ان کی معلومات بے اصل اور ناقص ہو گئی تھیں، جس کے

نتیجہ میں ان کا اخلاقی و اجتماعی معیار پستی میں گر گیا تھا۔ نواب صاحب کے قلم نے مسلمانوں کی جہالت اور کتاب وسنت سے غفلت و اعراض کا نقشہ بڑے درد بھرے انداز میں کھینچا ہے:

"ایسا دور آچکا تھا کہ غیب پر اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کسی مومن کے لیے کوئی جائے قرار نہ رہی تھی جہاں وُہ قرار پا سکے، نہ جائے پناہ تھی جہاں بھاگ کر پناہ لے سکے، نہ جائے امن تھی جہاں امان حاصل کر سکے اور نہ کوئی جائے نجات تھی جہاں بچ کر جا سکے حتیٰ کہ مکہ و مدینہ کے حرم بھی جائے امن وسکون نہ رہ سکے وہاں بھی دلائل کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں اور تقلیدِ ضال ومضل کے ترک کرنے والوں پر محن و آلام اور مصائب و ابتلاء کے دروازے کھول دیے جاتے تھے، حالانکہ ملکِ ہند میں بھی کتاب وسنت کے حاملین و عاملین کے ساتھ اس قدر ناروا اور غیر مہذب سلوک نہیں ہوتا تھا بلکہ میں (نواب صاحب) نے بلادِ مغرب شام و روم کے بارے میں سنا ہے کہ وہاں تو معاملہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ جو مسلمان متبع سنن نبویہ، عامل بالدلیل، پابندِ حدیثِ رسولؐ، متمسک بالکتاب اور تارکِ تقلیدِ شخصی ہوتا، اس کے لیے دوسرے ہم وطنوں کے درمیان زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا۔ نہ وُہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا اور نہ وُہ فریضۂ امر و نہی ادا کر سکتا۔" [1]

دینی اصلاح

نواب صاحب اپنے دور کے مسلمانوں کی اس تباہ حالی اور امورِ دین میں ان کی گمراہی سے بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ نے ان کو صراطِ مستقیم دکھانا اپنے اوپر فرض قرار دیا۔ اس بات کا عزم صمیم کر لیا کہ وُہ مسلمانوں کو اسلام کی سچی اور حقیقی رُوح سے آشنا کرائیں گے تاکہ وُہ عمل اور عقیدہ کی گمراہی سے محفوظ رہیں جو انہوں نے اسلام کے نام پر اپنا رکھی تھی۔ اس عظیم اور عہتم بالشان مقصد کے حصُول کے لیے وہی کچھ کیا جو ایک پُرعزم

[1] التاج المکلل: ص ۵۴۹

دینی مصلح اور بااہمت مجدد کرتا ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات و احکام کو از سر نو زندگی بخشے۔ ایسے ہی مجدد و محی دین کے بارے میں بشارت نبوی ہے:

"مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ"

"جو کوئی میری ایک سنت کو اس وقت زندہ کرے گا جب میری امت عقیدہ و عمل کے فساد میں مبتلا ہوگی اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔"

آپ نے اپنی زندگی کے شب و روز دینی کتب کے جمع کرنے، ان کی تالیف و تصنیف اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیے۔ آپ نے فکر و عمل اور تخلیقی کاموں سے بھرپور اور مصروف زندگی گزاری۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نواب صاحب کو عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر ماہرانہ قدرت کاملہ حاصل تھی۔ آپ نے تینوں زبانوں میں کثیر تعداد میں کتابیں تالیف فرمائیں جن کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے جن میں ۵۴ کتابیں عربی میں، ۴۲ فارسی میں اور ۱۰۷ کتابیں اردو میں لکھیں۔ آپ کی زیادہ تر تصانیف علوم دین اور لغت عرب کے موضوع پر ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں میں اتباع کتاب و سنت کی طرف خصوصی دعوت دی ہے تاکہ لوگوں کو بدعات، خرافات اور اوہام پرستی سے آزاد کرایا جائے جو کہ ایک طویل عرصہ سے اس میں گرفتار چلے آ رہے تھے۔ ان تقلیدی رسومات و عادات اور رواج نے ان کے دلوں سے شرعی احکام و اوامر کا احترام ختم کر دیا تھا۔ وہ مدفون بزرگوں کے ادب و احترام میں غلو کرتے تھے حتیٰ کہ ان سے مدد و اعانت کے طلبگار ہوتے، قبروں پر اپنی حاجات لے جاتے اور صاحب قبر سے ان کو پورا کرنے کی درخواستیں کرتے تھے۔ ان کو بزعم خویش خوش کرنے کے لیے نذرانے اور جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے، اس طرح شعار اسلام اور قرآن و حدیث کے احکام اور تعلیمات یک قلم فراموش کر دیے گئے۔ ان تمام غیر اسلامی امور پر عمل کرنے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان اور جنت کے حقدار سمجھتے تھے۔

نواب صاحب کی عظمت اور رفعت شان اس میں مضمر ہے کہ انہوں نے تمام عمر کورانہ تقلید کے سدباب اور اجتہاد شرعی کی بند راہوں کو کھولنے اور مسلمانان ہند کو

احکامِ کتاب و سنت سکھانے میں صرف کردی۔

فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین!

(جاری ہے)

شعر و ادب

مولانا عبدالرحمٰن عاجزؔ
مالیر کوٹلوی

نشاط و عیشِ جہاں خواب تھا فسانہ تھا

مریض کھا چکا اس کا جو آب و دانہ تھا — برائے موت مرض تو فقط بہانہ تھا
مرے نبیؐ کی زباں معرفت کی کنجی تھی، — دلِ حضورؐ معارف کا اک خزانہ تھا
میں جھومتا تھا بہر گام راہِ طیبہ میں — مری زباں پہ تری حمد کا ترانہ تھا
بنے وُہ فیضِ نبیؐ سے معلّمِ توحید — عقیدہ جن کا کہ صدیوں سے مشرکانہ تھا
کوئی محبِّ نبیؐ تھا، کوئی عدو تھے نبیؐ — مگر سلوکِ نبیؐ سب سے مشفقانہ تھا
نثار کر دیے مال اور جاں صحابہؓ نے — کہ آنحضورؐ سے پیار اُن کا والہانہ تھا
قفس میں اب بھی چمن کو میں یاد کرتا ہوں — چمن میں میرا بھی چھوٹا سا آشیانہ تھا
نظر کے سامنے رہتے تھے خلد کے جلوے — نظر کے سامنے جب تیرا آستانہ تھا
رنگے تھے ہاتھ نہ انصاف کے لہو سے کبھی — ہمارے ہاتھ میں دستور عادلانہ تھا!
پڑے ہیں قبروں میں مجبور بولتے بھی نہیں — جہاں میں طرزِ عمل جن کا جابرانہ تھا
لحد میں رکھ کے ہمیں سب کے سب وُہ لوٹ گئے — ہمارا جن سے تعلق تھا دوستانہ تھا
اُتر کے قبر میں ہم پہ یہ آشکار ہوا — نشاط و عیشِ جہاں خواب تھا فسانہ تھا

وُہ وقت آئیگا احباب اسکو مانینگے

کلامِ عاجزِ محزوں کا ناصحانہ تھا!

صبحِ صادق